انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دھلی

کے زیر اہتمام

دوروزہ قومی کانفرنس

بعنوان

مولانا مناظر احسن گیلانی: حیات وخدمات

بہ تاریخ: 1، 2/دسمبر 2018، بہ مقام: اے این سنہا انسٹی ٹیوٹ، پٹنہ

# افتتاحی خطبہ


مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

(مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)



انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز

162، جوگا بائی، مین روڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی-25

Tel.: 91-11-26981187, 26989253, 26987467

Fax.: 91-11-26981104

E-mail: ios.newdelhi@gmail.com

Website: www.iosworld.org

بسم اللہ الرحمان الرحیم

# مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ

## دنیائے علم وتحقیق کی مایہ ناز شخصیت

مولانا سید مناظر احسن گیلانی بیسویں صدی عیسوی کی مایہ ناز شخصیات میں تھے، وہ درس وتدریس، تحقیق وتصنیف، تقریر و خطابت کے میدان میں اپنی شناخت رکھتے تھے، ان کا انداز نگارش انوکھا، اور منطق وفلسفہ کی ژولیدہ بیانیوں سے پاک تھا، وہ علم وتحقیق کے ساتھ لکھتے اور خوب لکھتے، ان کی زبان ادب و بلاغت کی چاشنی اور فصاحت کلام کی حلاوت سے لبریز تھی، ان کا مطالعہ تازہ اور معلومات مستحکم تھیں، اور بقول مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی: ''بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ وسعتِ نظر، وسعتِ مطالعہ، رسوخ فی العلم اور ذکاوت میں ان کی نظیر اس مما لک اسلامیہ میں ملنی مشکل ہے''۔ انہوں نے ایک طرف سیرت وسوانح پر لکھا، جس میں ایک طرف ''النبی الخاتم'' اپنے البیلے انداز اور پرکشش جملوں کی وجہ سے ممتاز ہے، تو دوسری طرف تاریخ کی پر پیچ راہوں کو بھی عبور کیا، جس میں ''تاریخ تدوین قرآن''، و''تدوین حدیث'' کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسی طرح دوسرے فنون میں وہ اپنے قلم کی جولانی، اور متانت اسلوب کی وجہ سے فوقیت لے گئے۔

مولانا گیلانی کا وطن صوبہ بہار کے ایک گاؤں ''گیلانی'' ہے، اس کا تذکرہ وہ خود اپنی کتاب ''ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت'' میں اس طرح کرتے ہیں: ''یہ گیلانی وہی گیلانی ہے، جس کی طرف خاک سار اپنے نام کی اضافت کرتا ہے، فقیر کا مولد ومنشأ بہار کا یہی گاؤں ہے،'' انہوں نے ۱۸۹۲ء میں آنکھیں کھولیں، آپ کے دادا حضرت مولانا محمد احسنؒ اپنے وقت کے جید عالم تھے، اور آپ کے والد حافظ ابوالخیر تھے، مولانا گیلانی وطن میں ابتدائی تعلیم حاصل کر کے راجستھان کے شہر ٹونک گئے، اور علوم اسلامیہ کی تحصیل مولانا سید برکات احمد ٹونکی کی زیر نگرانی کی، اس کے بعد دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے، یہاں شیخ الھند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے کسب فیض کیا، علوم و فنون کے اس کہکشاں کے درمیان رہ کر وہ ''جامع الکمالات'' اور ''منبع فیوض وبرکات'' بن گئے، اور بقول مصنف حیات مولانا گیلانی: ''ماحصل یہ ہے کہ مولانا گیلانی کی طالب علمانہ زندگی کے تین دور ہوئے: پہلا دور گیلانی میں گذرا، جہاں آپ نے ناظرہ قرآن، اردو اور ابتدائی فارسی، اور عربی کی کتابیں پڑھیں، وہاں کے اساتذہ میں صرف مولانا کے محترم چچا مولانا حکیم سید ابوالنصر کا نام بحیثیت استاذ آیا ہے، دوسرا دور طالب علمی کا ٹونک میں گذرا، اور یہ سب سے لمبا زمانہ تھا، تیسرا دور طالب علمی کا دار العلوم دیوبند میں گذرا، یہاں آپ نے ایک سال رہ کر علم حدیث کی تکمیل کی'' (۹۰۔۹۱)

مولانا کی عملی زندگی میں تدریس کا حصہ زیادہ ہے، وہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد میں ایک عرصہ تک شعبہ دینیات کے صدر رہے، وہ کچھ سال ٹونک میں رہے، پھر حیدرآباد گئے، اور وہیں ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۹ء تک تدریس کا فریضہ انجام دیا، اور شعبہ دینیات کی صدارت کی۔ اگرچہ درمیان میں کچھ مہینوں کے لئے دار العلوم دیوبند میں القاسم اور الرشید کی ادارت کے ساتھ تدریسی خدمت بھی انجام دی،

جب حیدرآباد میں مستقل قیام ہوااور وہاں مستعدی کے ساتھ اپنے کام انجام دینے لگےتو حیدرآباد میں دارالعلوم کی ترجمانی کے لئے رکن شوریٰ کی حیثیت سے ۱۹۳۰ء میں آپ کا انتخاب ہوا،اور بیس سال تک یہ سلسلہ قائم رہا۔اس درمیان دوسری علمی مصروفیات رہیں، بے شمار مجلّات اور رسائل میں تحقیقی مضامین لکھے،اور کتابیں تصنیف کیں،اور بالآخر ۵/جون ۱۹۵۶ء میں رفیق اعلیٰ سے جاملے۔آپ کے انتقال پر بے شمار اہل قلم نے مضامین لکھے اور منظوم تأثرات کا اظہار کیا۔

## مولانا گیلانیؒ کی اہم تصنیفات اور مقالات:

(۱)مقالات احسانی (۲) تدوین حدیث (۳) ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت (۴) تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ (۵)امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی (۶) سوانح قاسمی (اول،دوم،سوم) (۷) النبی الخاتم (۸) ابوذر غفاری (۹) مجدد الف ثانی (۱۰) بابا رتن ہندی (۱۱) اسلامی معاشیات (۱۲) احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن (۱۳) مکاتیب گیلانی (۱۴) تدوین قرآن (۱۵) اور بے شمار مقالات جو معارف اعظم گڑھ،الفرقان لکھنؤ، برہان دہلی،صدق،صدق جدید، سچ لکھنؤ،القاسم دیوبند،الرشید دیوبند میں شائع ہوئے۔

## مولانا گیلانیؒ کے تین امتیازی پہلو:

(۱)تصنیف وتحقیق:

مولانا گیلانیؒ نے تصنیف وتحقیق کا آغاز دارالعلوم دیوبند کے زمانہ طالب علمی سے کیا، جب وہ دورۂ حدیث میں تھے،سب سے پہلے مضمون نویسی کے لئے حضرت شیخ الھند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے فرمائش کی ،آپ کا پہلا مضمون ''خیر الأمم کا طغرائے امتیاز'' کے نام سے القاسم دیوبند میں شائع ہوا،اس کے بعد تسلسل سے مضامین شائع ہوتے رہے، یہاں تک علامہ سید سلیمان ندوی نے ان کو''سلطان القلم'' کا خطاب دیا (حیات گیلانی ص: ۱۹۸)،مشہور ادیب اور صحافی مولانا عبدالماجد دریابادی آپ کے اسلوب تحریر کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''قوت تحریر کا جو ملکہ مولانا گیلانی کو حاصل تھا اس سے ناظرین صدق ناآشنا نہیں،ایک خاص طرز انشاء کے مالک تھے،اس میں کسی کے مقلد نہیں،خود اس کے موجد تھے،تحریر کا سب بڑا وصف بے ساختگی اور برجستگی تھی، جب اور جس موضوع پر قلم اٹھایا،بس لکھتے ہی چلے گئے ،جو عنوان دوسروں کو پامال نظر آتے تھے،ان میں بھی وہ نئے نئے نکتوں کے انبار لگا دیتے،خشکی ان کا قلم جانتا ہی نہ تھا،تحریر کی سطر سطر جاندار تھی۔'' (وفیات ماجدی: ۷۷)

استاذ محترم حضرت مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحی مولانا کی تصنیفی خصوصیات کے بارے میں لکھتے ہیں:

(۱)قلم برداشتہ لکھنا (۲) تحریر میں جاذبیت (۳) خشک نگاری سے پرہیز (۴) تصلب وتقشّف سے اجتناب (۵) وسعت معلومات اور رسوخ فی العلم (۶) مؤرخانہ ذہن (۷) وغیرہ۔(حیات گیلانی:۱۹۱۔۲۱۶)

## تقریر وخطابت:

تقریر وخطابت میں بھی مولانا گیلانی کو کمال حاصل تھا،اور'' آپ کی تقریر اکثر وبیشتر تحریر سے کہیں زیادہ دل نشیں،ہلچل پیدا کرنے والی،اور دلوں کو گرمانے والی ہوتی تھی ، پرسوز بھی ہوتی تھی،اور جاں گداز بھی ، پڑھا لکھا طبقہ بھی متأثر ہوتا تھا،اور عوام کا جاہل طبقہ

بھی، عام طور پر مجمع اشک بار ہوتا، اور کبھی کبھی چیخ وپکار کی آوازیں بھی بلند ہوتی تھیں''۔

مولانا گیلانی کی تقریر کی ابتدا ٹونک کے زمانہ قیام سے ہوئی، جب وہ وہاں زیر تعلیم تھے، دار العلوم دیوبند میں جب معین مدرس مقرر ہوئے تو اس وقت بھی ضرورت کے لحاظ سے آپ کو وعظ وخطابت کے لئے جانا ہوتا تھا، عام جلسوں کے ساتھ سمیناروں میں بہت مرتب گفتگو کرتے تھے، حضرت مولانا عبدالباری ندوی مولانا گیلانی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''کالج کے فرائض منصبی کے روزانہ کئی کئی لکچروں کے ساتھ وعظوں اور تقریروں کے اس تسلسل سے مولانا کی صحت پر آخر ایسی بن آئی کہ شب وروز اس نیازمند کے لئے دیکھتے رہنا برداشت سے باہر ہوگیا'' (مکاتیب گیلانی)۔

## تدریس وتربیت:

تدریسی زندگی کا آغاز مدرسہ خلیلیہ ٹونک سے ہوا، پھر دار العلوم دیوبند میں تدریس کا موقع ملا، اور اخیر میں جامعہ عثمانیہ حیدرآباد میں تقریباً تیس سال اس منصب پر فائز رہے، تدریس کے زمانے میں آپ صرف معلم نہیں تھے، بلکہ مربی کی حیثیت سے طلباء کی فکر کرتے تھے، وہ اگر چہ قدیم نصاب تعلیم کے فارغ التحصیل تھے، لیکن ان کے اندر جدید تقاضوں کو پورا کرنے کا پورا شعور تھا، مولانا نے حیدرآباد کے زمانہ تدریس میں محسوس کیا کہ کالجوں میں پڑھنے والے طلباء کے لئے اگر اقامت خانوں کا نظام رہے تو ان کی تربیت میں آسانی ہوگی، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ مولانا نے اس نظریئے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس وقت عالم اسلام کا سب سے بڑا فتنہ اسی نوخیز نسل کا غیر اسلامی بلکہ معاندِ اسلام ذہن اور نفاق ہے، جس نے تمام اسلامی ممالک کو الحاد وزندقہ کے دوراہے پر کھڑا کر دیا ہے، اور ایک سخت ذہنی کشمکش، بلکہ اسلام کے خلاف بغاوت کا علمبردار بنا دیا، مولانا کی بڑی دینی بصیرت تھی کہ انہوں نے اسلامی ''اقامت خانوں'' کی تجویز پیش کی،، جو کم از کم ہندوستان کے موجودہ حالات میں اس مسئلہ کا ایک علمی اور معقول حل ہے''۔ (پرانے چراغ: ج۱/۶۰)

## مایہ ناز شخصیت کی دوسری جہات:

مولانا گیلانی نے علم وتحقیق سے معمور زندگی گذاری، فہم قرآن کے تعلق سے ان کے نکات آج بھی اہل علم کے لئے لائق استفادہ ہیں، انہوں نے سورۂ کہف کی تفسیر نئے انداز میں کی ہے، حدیث کی تدوین پر جامع کتاب لکھی، جو آج تک محققین کے لئے سرمۂ چشم ہے، شعروشاعری کا بھی ذوق تھا، چاروں زبانوں (اردو، ہندی، فارسی، عربی) پر شعر کہنے کی صلاحیت رکھتے تھے، آپ کے اشعار واردات قلبی کا ترجمان ہیں، ان کی مشہور نعت مگھی زبان میں آج بھی اہل علم کی زبانوں پر ہے، اس کا مطلع ہے:

پیارے محمد جگ کے سجن  تم پر اُوروں تن من دھن
تمری صورتیا من موہن  کبھیو کر لو ہو تو درشن
جیا کٹھرے دلوا ترسے
کر پا کے بدرا کہیا برسے
تمہری دوریا کیسے چھوڑوں  تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں

تمری گلی کی دھول بٹوروں تمری نگر میں دم بھی توڑوں
جی کا اب ارمان یہی ہے
آٹھوں پہر اب دھیان یہی ہے

اسی طرح تصوف وسلوک اور تزکیہ باطن پر توجہ دیتے تھے، اور حضرت تھانوی کے مکتب فکر سے متأثر تھے، یہ اور اسی طرح کے دوسرے پہلو ہیں جو ان کی زندگی میں نمایاں ہیں، اور ان کو شخصیت کی عبقریت کو واضح کرتی ہیں۔

## مولانا گیلانی اور دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ان کی آمد:

مولانا گیلانیؒ چونکہ ندوۃ العلماء کے سابق ناظم ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی سے دوستانہ تعلق رکھتے تھے، اور ان کا علاج بھی کرتے تھے، اس لئے وقتاً فوقتاً حیدرآباد واپسی سے لکھنؤ ہوکر جاتے تھے، مولانا عبدالباری ندویؒ کے یہاں ان کا قیام رہتا تھا، اور ایک دو روز لکھنؤ میں رکتے تھے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی ان سے بار بار ملاقات ہوتی تھی، اور استفادہ کا موقع ملتا تھا، اور بقول حضرت مولانا: ''مولانا گیلانی نے مشفقانہ ومربیانہ اور میں نے شاگردانہ و نیازمندانہ تعلق آخر تک رکھا''، حضرت مولانا نے اس سے مراسلت بھی رکھی، جس کے نمونے اپنی کتاب پرانے چراغ جلد اول میں ہیں اور اخیر تک یہ سلسلہ قائم رہا، ایک مرتبہ اپنی زندگی کے آخری دور (انیس سو پچاس عیسوی کے دہے میں) وہ آئے تو مرکز دعوت وتبلیغ امین آباد میں مختصر قیام رہا، اس وقت ہم کو بھی ان کی زیارت کرنے اور قریب سے ان کے افکار کو سننے کا موقع ملا، وہ اگرچہ قدیم نظام تعلیم کے تعلیم یافتہ تھے، لیکن زمانے تقاضوں کو نظر انداز کرنا ان کے لئے کسی طرح ممکن نہ تھا۔ وہ بلاشبہ ندوی الفکر اور ندوی القلم تھے۔

## ایک یادگار واقعہ:

غالباً اگست ۱۹۵۳ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ مشرقی پاکستان کے سفر سے واپسی میں دارالعلوم تشریف لائے تھے اور مہمان خانہ میں قیام فرمایا تھا، اس موقع پر دارالعلوم کے تمام اساتذہ وطلباء نے ایام قیام میں سید صاحب کی خدمت میں بابار حاضر ہوکر ان کے دیدار اور ان کے کمالات عالیہ سے استفادہ کیا، میں تخصص ادب کے دوسرے سال میں تھا، اور سید صاحب رحمہ اللہ کو دیکھنے اور ان کے افادات سے مستفید ہونے کی کوشش میں برابر اپنے ساتھیوں کے ساتھ شریک رہا۔

اس وقت دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا محمد عمران خان صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے سید صاحب کی مہمان نوازی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، اور ہمہ وقت سید صاحب کے آرام وراحت کا خاص خیال رکھا، اس زمانے میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی (رحمۃ اللہ علیہ) پاکستان کے سفر پر تھے، اور جب سید صاحب نے دارالعلوم کی وسیع مسجد میں جملہ اساتذہ وطلبہ کے مجمع میں تقریر فرمائی، تو سب سے پہلے حضرت مفکر اسلام سے ملاقات نہ ہونے افسوس ظاہر کرتے ہوئے یہ مصرع پڑھا:

میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلمان ہو گیا

سید صاحب کی ہندوستان سے واپسی کے بعد مختصر مدت کے بعد ماہ نومبر ۱۹۵۳ء میں کراچی میں انتقال ہوگیا۔

یہ خبر صاعقہ اثر بن کر اہل ندوہ پر گری، اور حضرت مولانا نے جلسۂ تعزیت میں اپنے تأثرات بیان فرمائے، اور حضرت سید صاحب پر ایک علمی اجتماع دارالعلوم ندوۃ العلماء میں منعقد کرنے کا فیصلہ فرمایا، اور اس اجتماع میں سید صاحب کے دیرینہ رفیق اور ان

سے انتہائی مخلصانہ تعلق رکھنے والے حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب کو شرکت کی دعوت دی، اس دعوت نامہ میں سید صاحب مرحوم اور مولانا گیلانی کے باہمی تعلق وارتباط کا ذکر کر کے اس سنجیدہ علمی اجتماع میں جو سید صاحب کی یادگار کے طور پر منعقد ہونے والا تھا، تشریف لانے کی درخواست کی، اور مولانا گیلانی نے اپنی علالت اور ضعف صحت کے باوجود اس اجتماع میں شرکت کرنے کو اپنی سعادت قرار دیا، اور تشریف آوری ہوئی، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا گیلانی صاحب کے اجتماع میں شرکت کے لئے تشریف آوری کا ذکر فرماتے ہوئے لکھا ہے:

''مولانا اپنے برادر عزیز مولوی مکارم احسن صاحب کی معیت میں تشریف لائے، اور نہایت ذوق وشوق اور محبت وخلوص کے ساتھ دوروزہ اجتماع میں شرکت فرمائی، ایک روز کے اجتماع کی صدارت بھی فرمائی، اپنا مقالہ (جو حسب معمول طویل، دلچسپ اور پر مغز تھا) سنایا، مقالہ سیرۃ النبی کے حصہ ششم پر ایک مفصل تبصرہ تھا، اس میں دکھایا گیا تھا کہ سید صاحب نے اسلام کی اخلاقی تعلیمات اور اخلاق نبوی پر جو کچھ لکھا ہے وہ اس موضوع پر منفرد چیز ہے، اور سید صاحب کے علمی کارناموں میں اس کو خاص امتیاز حاصل ہے، اس مضمون میں انہوں نے جس فراخ دلی، فیاضی اور مسرت کے ساتھ اپنے معاصر کے علمی وتصنیفی مقام اور اس کی عظمت کا اعتراف کیا تھا، وہ خود مولانا کی عظمت کی دلیل اور ان کی بے نفسی وخلوص کا روشن ثبوت تھا، اور علمائے سلف کی یاد تازہ کرتا تھا، مولانا نے میری فرمائش پر اپنی وہ نظم بھی سنائی، جو انہوں نے واقعہ کی اطلاع سن کر لکھی تھی، اور بعض اخبارات میں چھپ چکی تھی، جس وقت مولانا نے اپنی پر اثر آواز میں اپنے مخصوص ترنم کے ساتھ وہ نظم سنائی تو سماں بندھ گیا، اور بہت سی آنکھیں نم تھیں، اجتماع کے علاوہ جو اوقات ملتے تھے وہ مولانا کی پر بہار مجلس کے لئے وقف تھے، اساتذہ وطلباء کا ایک مجمع ہر وقت ان کے گرد رہتا اور حالت یہ تھی کہ:

وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

اجتماع سے فارغ ہو کر اور مولانا عبدالباری صاحب کے یہاں کچھ وقت گزار کر وہ ہمارے مرکز میں تشریف لے آئے، میں نے ایک روز ان سے ان نعتوں کے سنانے کی فرمائش کی جو انہوں نے بہاری ہندی میں لکھی ہیں، اور جو سوامی دھرجی گیلانی والے کی طرف سے بعض اخبارات ورسائل میں چھپی ہیں، ان نعتوں میں ان کی محبت، سوز اور بارگاہ نبوی سے عاشقانہ تعلق بغیر کسی تکلف کے ظاہر ہو گیا ہے، ہندی کے میٹھے بول، مولانا کا ترنم اور نعت کا موضوع ان سب نے مل کر اس میں عجب دلکشی اور دلآویزی پیدا کر دی ہے۔ مولانا خود بھی اپنی آنکھوں کو قابو میں نہ رکھ سکتے اور سننے والے بھی متأثر اور آبدیدہ ہوئے بغیر نہ رہ سکتے''۔ (پرانے چراغ ج ۱/ ۶۸۔۶۹)

اس علمی اجتماع میں ہم طلباء نے شرکت کے ساتھ حضرت مولانا گیلانی سے کسی حد تک فیض یاب ہونے کی کوشش کی، اور جب تک ان کا قیام لکھنؤ میں رہا، ان کی خدمت میں برابر حاضری کی سعادت حاصل رہی، خاص طور سے جب وہ مرکز تبلیغ ودعوت میں جہاں حضرت مفکر اسلام رحمہ اللہ علیہ کا قیام تھا، جب تشریف لائے اور اپنی نظم کو پر درد اور مترنم آواز میں سنائی تو ایک سماں بندھ گیا (جس کا ذکر اوپر آچکا ہے) اور جب تک مرکز میں قیام فرمایا، یہ عاجز ان کے قافلے کے ساتھ ان کے فیوض سے مستفید ہوتا رہا۔

یہ دراصل سید الطائفہ حضرت سید صاحب (رحمہ اللہ) اور آپ کے محبّ خاص ورفیق مخلص علامہ گیلانی کو پہلی اور آخری بار دیکھنے، سننے اور فیض یاب ہونے کا مجھ کو موقع ملا۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

اللہ تعالی ان کی شخصیت اور خدمات پر منعقد اس سمینار کو مفید سے مفید تر بنائے اور اس کے فوائد کو عام وتام فرمائے۔

❑ ❑ ❑